ایک مجلس میں تین طلاقیں

ایک فاضل دوست نے پوچھا ہے کہ،

امریکہ میں نو مسلم میاں بیوی میں اتفاقاً ناچاقی ہو گئی، شوہر نے غصے میں آکر ایک ہی مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالیں، جب غصہ فرو ہوا تو پچھتایا، علماء کی طرف رجوع کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ "اب تمہارے لیے رجوع کرنا جائز نہیں ہے الّا یہ کہ پہلے حلالہ ہو!

بہر حال وہ ان کے جواب سے مطمئن نہیں ہیں، اس لیے نہیں کہ یہ فتوے ان کے مفاد کے خلاف ہے، بلکہ صرف اس لیے کہ اس میں معقولیت اور حکمت کی بات نہیں ہے۔

آپ ہماری رہنمائی فرمائیں کہ قرآن و حدیث کی رو سے صحیح کیا ہے؟" (محمد ابرار۔ منصورہ۔ لاہور)

الجواب

صحیح یہ ہے کہ مندرجہ بالا صورت میں جدید نکاح کے بغیر عدت کے اندر رجوع کیا جا سکتا ہے اور عدت کے بعد کسی حلالہ کے بغیر وہ جدید نکاح کر کے اپنا گھر مکرر آباد کر سکتے ہیں۔

ایک ہی مجلس اور ایک ہی ٹائم میں "تین طلاقوں" کو مؤثر قرار دینا عُسر "تنگی" ہے، یسر (آسانی) نہیں ہے اور یہ حکمت دینی کے خلاف ہے اس طرح تو مؤثر طلاق کے لئے "تین" کی تعداد کا بھی کوئی فائدہ باقی نہیں رہتا۔ اگر ایک ہی زبان، ایک ہی مجلس اور ایک ہی ٹائم میں "تین طلاقیں" مؤثر قرار دی جا سکتی ہیں تو پھر "تین" کا نصاب مقرر کرنے کے بجائے ایک ہی طلاق کی چھری سے نکاح کی یہ طنابیں بھی آسانی سے کاٹی جا سکتی تھیں۔ آخر اس کے لئے "تین" کا نصاب کیوں مقرر کیا گیا ہے؟ بلا محالہ یہی کہنا پڑے گا کہ اس عدد میں کوئی حکمت ضرور پوشیدہ ہے اور وہ اس کے سوا اور کچھ نہیں معلوم ہوتی کہ: فریقین کو سوچنے کے لیے مزید مہلت مل جائے۔ ظاہر ہے کہ ایک ہی دفعہ تین طلاقوں کو مؤثر قرار دینے کے بعد یہ مہلت غارت ہو جاتی ہے۔

قرآن حکیم۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ، فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ (پ۲۔ بقرہ ع۲۹)

'طلاق دو بار ہے، پھر اچھی طرح سے اسے رکھنا یا چھوڑنا ہے۔'

یہاں "دوبار" (مَرَّتَانِ) کے معنی، ایک ہی زبان میں 'دوبار' کہنا نہیں ہیں بلکہ علیحدہ علیحدہ وقتوں میں ایک ایک بار طلاق دینا، مَرَّتَانِ ہے۔ چنانچہ فرمایا، ان دو مرحلوں کے بعد اب ٹھنڈے دل سے غور کر لینا چاہیے کہ یہ سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا چاہیے یا رجوع کر کے حق رفاقت کو نباہ دینا مناسب ہے۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۚ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ○ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (پ ۲۸۔ الطلاق ع ۱)

"جب تم اپنی اپنی بیویوں کو طلاق دینی چاہو تو ان کو عدت (کے وقت) پر طلاق دو اور عدت کو گنتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے، اور ان کو گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود گھر سے نکلیں الا یہ کہ وہ علانیہ بے حیائی (کا ارتکاب) کریں اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا تو اس نے اپنا ہی برا کیا، تم نہیں جانتے، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ (طلاق کے بعد ملاپ کی) کوئی صورت پیدا کر دے۔ پھر جب عورتیں اپنی عدت پوری کرنے پر آئیں تو سیدھی طرح ان کو (اپنی زوجیت میں) رکھے رہو یا سیدھی طرح ان کو رخصت کرو اور (جو کچھ بھی کرو) اپنے میں دو معتبر گواہ بنا لو۔"

اگر طلاق دو بار یا تین بار ایک ہی مجلس میں ہو گئی تو کس نے گھر میں اسے رہنے دیا اور کون گھر میں رہی؟ اور آیت نے رجعت کے جس امکان کا ذکر کیا، وہ کب اور کہاں باقی رہا؟ آپ فرمائیں گے کہ اگر کوئی ان امور کی پرواہ نہ کرے تو پھر؟ پھر یہی ہو گا کہ وہ نجی حیثیت میں جو چاہے کہے لیکن سرکاری طور پر وہ ایک ہی شمار ہوں گی۔ بہرحال قرآن نے جن قرآنی حکمتوں کو ملحوظ رکھنے کی آپ سے سفارش کی ہے خود اس کی خلاف ورزی کے لیے راہیں بھی کھلی رہنے دے، محال ہے۔

ہاں "دوبار" ایک مبہم سا لفظ ضرور ہے جس سے ان مختلف اوقات کی تشخیص نہیں ہوتی جو

حکمتِ قرآنیہ کے سامنے ہے۔ اس کے لیے ہم رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں، کیونکہ خدائی منشا اور قرآنی اجمال کی تبیین اور تشریح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منصبی فریضہ ہے۔

عن سالم ان عبد اللہ بن عمر اخبرہ اَنَّہٗ طَلَّقَ امرأتہ وھی حائض فذکر عمر لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتغیظ فیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثم قال لیراجعھا ثم یمسکھا حتی تطھر ثم تحیض فتطھر فان بدا لہ ان یطلقھا فلیطلقھا طاھرا قبل ان یمسھا فتلک العدۃ کما امرہ اللہ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ الطلاق ص ۷۲۹ ج ۲ و ص ۷۹۰ ج ۲، صحیح مسلم ص ۴۷۵ ج ۱)

"حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ انہوں نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے ڈالی تو حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے اس کا ذکر کر دیا، آپؐ غصے ہوئے، پھر فرمایا اسے رجوع کر لینا چاہیے، پھر اسے اپنے پاس رکھے، یہاں تک کہ جب وہ پاک ہو جائے، پھر اسے ایام آ جائیں اور پھر وہ پاک ہو جائے، اب اگر وہ اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اسے طلاق ہی دے ڈالے تو اپنے ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے ڈالے، یہ وہ عدت (طلقوھن لعدتھن) ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔"

یعنی حیض کے دنوں میں طلاق نہیں دینا چاہیے تاکہ اسبابِ کراہت منتفی ہوں۔ پھر پاکی کے دنوں میں اسے ایک طلاق دے ڈالے، اسی طرح پھر اگلے طہر میں کرے۔ اس کے بعد چاہیے کہ ٹھنڈے دل سے آخری فیصلہ کرنے سے پہلے اب مزید سوچ لے، اگر اب بھی اسی نتیجہ پر پہنچا ہے کہ خلاصی ہونی چاہیے تو پھر طلاق دے ڈالے۔

"دو بار (مَرَّتَانِ) کا مفہوم واضح ہو گیا کہ یہ دو بار، دو ماہ ہیں یعنی ہر طہر میں ایک بار طلاق دے اور اسے گھر میں ہی رکھے۔ اسے بھی گھر میں ہی رہنا چاہیے تاکہ ہو سکتا ہے کہ پھر ملاپ کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ دراصل اسلام جوڑے کے فراق اور مستقل جدائی کے حق میں نہیں ہے۔ جب تمام جتن اور اصلاحِ حال کے سارے امکانات ختم ہو جائیں تو پھر آخری چارۂ کار کے طور پر اسلام اس کو اس فیصلے کا حق دے دیتا ہے۔

مسند احمد میں ایک روایت ہے کہ حضرت رکانہ نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دے ڈالی تھیں، مگر دے کر پھر پچھتانے لگ گئے تھے، حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ طلاق کس طرح دی تھی؟

کہا کہ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے ڈالی ہیں حضور! آپؐ نے فرمایا تو پھر یہ ایک طلاق ہے۔ اگر جی چاہے تو رجوع کر سکتے ہو۔ چنانچہ انھوں نے پھر رجوع کر لیا تھا۔

قال احمد: حدثنا سعد بن ابراهیم حدثنا ابی عن محمد بن اسحاق قال حدثنی داؤد بن الحصین عن عکرمة مولی بن عباس عن ابن عباس قال:

طلق رکانة بن عبد یزید، اخو المطلب، امرأته ثلثا فی مجلس واحد فحزن علیها حزنا شدیدا فسأله رسول الله صلی الله علیه وسلم کیف طلقتها؟ قال طلقتها ثلثا، قال فی مجلس واحد؟ قال نعم، قال: فانما تلك واحدة فارجعها ان شئت قال فراجعها قال: وکان ابن عباس یری ان الطلاق عند کل طهر (مسند احمد)

اس اصول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں فیصلے ہوتے رہے پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں بھی یہی قانون جاری رہا، حضرت عمرؓ کے ابتدائی دو سالوں (بعض کی رو سے تین سالوں) میں بھی اسی پر عمل ہوتا رہا لیکن لوگوں نے اسے تشغل بنا لیا تھا، غالباً عورتوں کا استحصال کرنے کے لیے وہ تین طلاقیں دے کر عورتوں کو ہراساں کرتے، پھر اپنی منواتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو مصلحتاً اسے مؤثر قرار دے کر اسے نافذ کر دیا، اور ایک مجلس میں تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیا — حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

عن ابن عباس قال کان الطلاق علی عهد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وابی بکر وسنتین من خلافة عمر طلاق الثلث واحدة فقال عمرؓ بن الخطاب: ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لهم فیه اناة فلو امضیناه علیهم فامضاه علیهم (مسلم ص۴۷۷ جلد ۱)

یہ طاؤس تابعی کی روایت ہے، ان کی طرح ابو الصہبار سے بھی روایت آئی ہے کہ انھوں نے بھی حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ: کیا حضورؐ کے مبارک عہد میں، حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے دور میں اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی تین سالوں میں تین طلاقیں ایک شمار نہیں ہوتی تھیں؟ انھوں نے کہا ہاں:

ان ابا الصهباء قال لابن عباس اتعلم انما کانت الثلاث تجعل واحدة علی عهد النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وابی بکر وثلثا من امارة عمر فقال ابن عباس نعم (مسلم ص۴۷۷ ج۱)

حضرت عمرؓ کا یہ کہنا کہ لوگوں نے بڑی جلدی آسانی اور مہلت گنوائی ہے، کاش! تین ہی مؤثر کر دیتے، اس امر پر دال ہے کہ انھوں نے "مسئلہ" کی نوعیت نہیں بدلی بلکہ تعزیراً ایسا کیا ہے کہ لوگ رک جائیں۔ چنانچہ بعد میں وہ اپنے اس اقدام پر پچھتائے بھی۔

قال ابوبکر الاسماعیل فی مسند عمر: اخبرنا ابویعلی حدثنا صالح بن مالک حدثنا خالد بن یزید بن ابی مالک عن ابیہ قال، قال عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ماندمت علی شئ ندامتی علی ثلث ان لااکون حرمت الطلاق الحدیث (اغاثۃ اللھفان ص ۳۳۶ ج ۱)

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بعض صحابہؓ نے بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اقدام کی توثیق کی تھی۔ کیونکہ بعض اوقات اسلامی حکومت کی عارضی حکمت عملی سے حکمۃً اور مصلحتاً تعاون کرنے کی گنجائش ہوتی ہے لیکن اس کی حیثیت دائمی قانون کی نہیں ہوتی۔ اس لیے بعض لوگوں کو بعض صحابہ کی ایسی روایات سے حیرت نہیں ہونی چاہیے، جن میں حضرت عمرؓ کے عمل سے موافقت کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ ان حالات میں ایسی صورت ممکن ہوتی ہے۔ لیکن اس سے یہ رائے قائم کرنا کہ وہ اسے دائمی قانون کی حیثیت سے تسلیم کرتے تھے، محل نظر ہے۔ اگر بعض آثار واقعۃً ایسے مل بھی جائیں تو بھی مرفوع احادیث نے جو عقدہ کشائی کی ہے اس کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ الاحادیث یفسر بعضھا بعضاً۔

اس سلسلے کی دوسری علمی گفتگو، سو وہ بھی کی جا سکتی ہے، اور لوگوں نے کی بھی ہے اور اس موضوع پر بعض دوستوں نے خاصی طبع آزمائی بھی کی ہے مگر ان کی حیثیت "تصریح" کے مقابلے میں "تاویل اور تکلف" کی ہے۔ اس لیے ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ:

جن احادیث میں، ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق بیان کیا گیا ہے۔ وہ قرآن حکیم کی بیان کردہ حکمت عملی کے بھی عین مطابق ہے اور نوع انسان کی غیر متوازن کیفیت اور حالات کی رو سے بھی یہی حکمت عملی قرین قیاس ہے اور اس کا وہ ایک متوازن حل بھی ہے جس طرف دوسرے دوست دعوت دے رہے ہیں، گو وہ کتنی ہی نیک نیتی پر مبنی ہو، بہرحال اس سے ان مشکلات اور پیچیدگیوں میں اضافہ تو ممکن ہے، افاقہ نہیں۔

ہمارے ایک فاضل دوست نے ان روایات کے مشاہدہ کے بعد جو بات کہی ہے اس نے ہمارے موقف کی اصابت اور ضرورت کو اور زیادہ واضح کیا ہے، انھوں نے فرمایا